

جناب محمد یونس میاں

ڈسک

جدید اصول تحقیق کی تشکیل میں مسلمان محدثین کے کارنامے (روایات تفسیر القرآن العظیم کے تناظر میں)

علامہ ابن کثیر بطور محدث

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے ابن کثیر کی تفسیر کے حوالہ سے آپ کی محدثانہ حیثیت کے بارے میں لکھا ہے۔
”حافظ ابن کثیر ایک پختہ کار محدث تھے انہوں نے محدثانہ طریق پر یہ تفسیر مرتب کی، اگرچہ وہ اس میں بلند محدثانہ معیار کو پورے طور پر قائم نہیں رکھ سکے جس کی ان سے توقع تھی اور انہوں نے کسی قدر توسیع سے کام لیا اور اسرائیلیات کے ایک حصہ کو قبول کیا، مگر اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ تفاسیر میں محدثانہ نقطہ نظر سے یہ تفسیر سب سے زیادہ قابل اعتماد و استفادہ ہے۔“^(۱)

اس تفسیر کی یہ خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن کی تفسیر قرآن سے کی گئی ہے مفسرین کی اصطلاح میں اس تفسیر کو فی اعتبارہ ”تفسیر القرآن بالقرآن“ کیا جاتا ہے، ابن کثیر کے ہاں اس کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے جیسا کہ وہ خود مقدمہ میں فرماتے ہیں ”ان اصح الطرق فی ذلك ان يفسر القرآن بالقرآن“^(۲)
اس کے بعد پھر حدیث اور پھر اقوال صحابہؓ کی طرف رجوع کرتے ہیں اس ضمن میں آپ خلفاء راشدینؓ کا ذکر خاص طور پر کرتے ہیں^(۳) ابن کثیر سلیس اور مختصر عبارت میں آیت کی تفسیر کرتے ہیں، مقدمہ ابن کثیر کے علمی اور تفسیر مباحث سے عندیہ ملتا ہے کہ آپ نے اسرائیلیات کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ کو قبول کیا ہے^(۴) لیکن اس پر نقد و جرح میں ذرا نہیں چوکتے، آپ نے اس تفسیر میں طبری، ابن حاتم اور ابن عطیہ وغیرہ سے استفادہ کیا ہے، عربی اشعار نقل کئے ہیں^(۵) آپ ایک محدث کی حیثیت سے احادیث کا معیار اور اسناد بھی بیان کرتے ہیں، بعد ازاں اس کی تائید میں صحابہؓ تابعین کے اقوال بیان کرتے ہیں اور بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں^(۶) بعض کو صحیح اور بعض کو ضعیف قرار دیتے ہیں، آپ روافہ و رجال اور اسرائیلیات پر نقد و جرح میں مشہور ہیں، اس بارے میں مولانا تاقی عثمانی نے اپنا تاثر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”یہ کتاب تفسیر ابن جریر کا خلاصہ ہے البتہ اس کا ایک امتیاز یہ ہے کہ حافظ ابن جریر، ابن مردودہ، اور ابن ماجہ وغیرہ نے تفسیری روایات کو صرف جمع کر کے کام کیا ہے، لہٰذا ان کے بیان میں کئی جگہوں پر تضاد ہے لیکن حافظ ابن کثیر کی خصوصیت یہ ہے کہ۔“

وہ روایات پر جرح و تنقید کے فن کا مہارت سے استعمال کرتے ہیں،^(۷) لیکن اس کے باوجود ابن کثیر میں ہر طرح کی روایات ملتی ہیں، ضعیف بھی اور اسراغیلی بھی، تاہم آپ بار بار واللہ اعلم^(۸) کہتے ہوئے نہایت احتیاط سے آگے بڑھتے جاتے ہیں، غالباً یہی وجہ ہے کہ علماء نے اس کو روایتی مگر محتاط اور مستند تفسیر قرار دیا ہے۔^(۹) ذیل میں چند روایات کافی و فکری جائزہ مرتب کیا جا رہا ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ محدثین روایات کے بارے میں کس قدر محتاط تھے اور انہوں نے روایات کے داخلی اور خارجی پہلوؤں کا کس قدر غائر مطالعہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہوا بن کثیر کی پہلی روایت جس کا تعلق حدیث کی کتاب ”مسند احمد“ سے ہے۔

وقال حدثنا حسين حدثنا ابن لهيعة حدثنا زيان بن فائد عن سهيل بن معاذ بن انس الجهني عن ابيه عن رسول الله ﷺ انه قال (من قرأ أول سورة الكهف و آخرها كانت له نوراً من قدمه إلى رأسه ومن قرأها كلها كانت له نوراً بين السماء والارض) انفرد به أحمد ولم يخبر جوه^(۱۰)

آپ جانتے ہیں کہ حدیث کی عدم صحت کے لئے کسی ایک راوی کا غیر ثقہ اور ضعیف ہونا کافی ہو سکتا ہے، اور اس روایت کے اکثر راوی ضعیف الحدیث، منکر الحدیث قرار دیئے گئے ہیں، اس روایت کے پہلے قابل توجہ راوی ”ابن لہیعہ مفری عبد اللہ ابو عبد الرحمن“ ہیں ان کے بارے میں صاحب مشکوٰۃ کی تحقیق یہ ہے کہ ”اگرچہ یہ فقیہ ہیں، مصر کے قاضی بھی رہے، لیکن حدیث کے باب میں ضعیف ہیں، لیکن ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل کی رائے دوسری ہے، ”ابو داؤد کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل کو کہتے ہوئے سنا کہ مصر میں کوئی شخص کثرت حدیث اور اس کی یادداشت اور چٹنگی میں ابن لہیعہ جیسا نہ تھا“ ان کا ۷۴ھ میں انتقال ہوا۔“^(۱۱)

ابن لہیعہ سے ”زبان بن فائد نے روایت کی ہے جن کے بارے میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے:

”صنعفه ابن معین“ وقال احمد احاديثه مناكير“ وقال ابو حاتم صالح^(۱۲)

ابن حجر نے تقریب میں لکھا ہے کہ ”وہ اپنی نماز، عبادات وغیرہ کے باوجود حدیث میں ضعیف قرار دیئے گئے ہیں۔ ضعیف الحدیث مع صلات و عبادت“^(۱۳)

علامہ موصوف نے اپنی دوسری کتاب میں ابن حبان کے حوالہ سے ان کو بہت بڑا ”منکر الحدیث“ اور ناقابل حجت قرار دیا ہے۔

وقال ابن حبان منكر الحديث جداً لا يحتج وقال المساجي عنده مناكير^(۱۴)

ابن لہیعہ، سہل بن معاذ بن انس النخعی سے روایت میں متفرد ہیں، سہل بن معاذ بھی اس روایت کے اہم راوی ہیں، علامہ ذہبی نے انکو ضعیف کہا ہے، لیکن ابن حبان نے ان کا ذکر الثقات میں کیا ہے^(۱۵) ”تقریب“ میں لکھا ہے کہ سوائے ان

درایات کے جن کو ان سے زبان بن فایہ نے لیا ہے ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں ہے، لایس بہ الافی روایات زبان عنہ من الایسعة،^(۱۷) ابن حجر عسقلانی نے ابو بکر ابی نعیم اور ابن معین کے حوالہ سے ضعیف کیا ہے، آپ نے زبان بن فایہ کے حوالہ سے ان پر سخت تنقید کی ہے اور ان کو ضعف اور منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ ہاں ابن حبان اور العلی المصری تا بھی کی روایت سے ان کو ثقہ بھی کہا ہے۔^(۱۸)

آپ جانتے ہیں کہ کسی روایت کے درست اور قابل اعتناء کے لئے رواۃ پر بحث ابتدائی مرحلہ ہے، ضروری نہیں ہے وہ راوی ثقہ ہوں تو روایت بھی صحیح ہو بلکہ اس کے بعد روایت کو ایک اور امتحان ”درایت“ سے گزرنا پڑتا ہے۔ جس میں قرآن و حدیث، اجماع امت، ادب و اسلوب زبان و لسانیات، فصاحت و بلاغت کے علاوہ عقل جیسے معیارات پر بھی پورا اترنا پڑتا ہے، محدثین اور آئمہ جرح و تعدیل نے اس کے لئے کچھ اصول مقرر کر دیئے ہیں، کسی بھی روایت پر بحث کرتے ہوئے ان اصولوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، روایت زیر نظر پر درایت کے دو اصولوں کا اطلاق ہوتا نظر آتا ہے وہ اصول یہ ہیں۔

وہ حدیث جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتوں کے فضائل کے بارے میں وارد ہوئی ہیں^(۱۸)

دوسرے ایسی حدیث جس میں معمولی کام پر سخت عذاب یا ثواب کا ذکر ہو^(۱۹)۔ مولانا شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ

ایسی حدیثوں کے بارے میں یہ تحقیق کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کے راوی معتبر ہیں یا نہیں ہیں۔^(۲۰)

مولانا محمد حنیف ندویؒ نے سورتوں کے فضائل کے تناظر میں لکھا ہے کہ ”ان کے وضائین میں ایک نوح بن مریم تھا جس نے اعتراف کیا کہ اس سے قرآن کے فضائل کے بارے میں حدیثیں گھڑی ہیں، اور ایک ایک سورت سے متعلق بتایا ہے کہ اس کی تلاوت میں کس درجہ ثواب حاصل ہوتا ہے“^(۲۱) مولانا ندویؒ کی یہ جرح ہر دو اعتبار سے کام کی چیز ہے۔ فضائل کے باب میں بھی اور معمولی کام پر بہت زیادہ ثواب کے ضمن میں بھی۔ آپ اس روایت کے متن میں ملاحظہ کریں سورۃ کہف کی صرف پہلی اور آخری آیات کے بدلے میں قاری کے قدموں سے سرتک اور پھر زمین سے آسمان تک نور ہی نور پھیل جاتا ہے۔ اس طرح کے فضائل مجموعی طور پر قرآن سے بے اعتنائی کا رجحان پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی یوں کہے کہ سورۃ اخلاص کا ثواب پورے قرآن کے برابر ہے، روایت کی اسناد سے قطع نظر کہ یہ روایت قرآن و حدیث کے مقاصد سے ہم آہنگ نظر آتی ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس سورۃ کا استعمال صرف ایصال ثواب کے لئے مختص کر لیا ہے، سورۃ اخلاص کے ”فلسفہ توحید“ کی طرف توجہ ہی نہیں جاتی۔

اس روایت کے آخر میں علامہ ابن کثیر نے ”انفرد بہ احمد ولم یخبر جوه“^(۲۲) کے الفاظ رقم فرمائے

ہیں جو اس روایت کی سند کے غریب ہونے کی طرف ایک اشارہ ہے،^(۲۳) روایت و درایت کی اس مختصر پس منظر میں

(۲) وقد روى الحافظ ابن عساكر في ترجمة همام بن الوليد الامشقي حدثنا صدقة بن عمر انفساني حدثنا عبال المنقري سمعت الحسن البصري يقول كان اسم كعب بن ابراهيم عليه الصلوة والسلام جرير واسم هذا هده سليمان عليه السلام عنفر واسم كلب اصحاب الكهف قطمير واسم عجل بنى اسرائيل النذى عبدوه 'بهموت' وهبط آدم عليه السلام بالهند وحوأ بجدة وابليس بدشت يسمان والحية باصفيان (۲۳)

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ روایت بالا میں حضرت ابراہیم کے مینڈھا "جریر" حضرت سلیمان کے "ہدھ" "عنفر" اصحاب الکہف کے کتے "قطمیر" بنی اسرائیل کے کچھڑے "بہموت" کا ذکر ان کے ناموں کے ساتھ ہوا ہے نیز حضرت آدم علیہ السلام کا بہشت سے ہند اور حضرت حوا کا جدہ ابلیس کا دست بیان اور سانپ کا اصفہان میں اترنا اس پر مستزاد ہے یہ روایت کا متن جس میں درایت کئی طرح کے سوال مستور ہیں لیکن اس کے پہلے رواۃ پر ایک نظر ڈالنا مناسب ہوگا حافظ ابن عساکر ابوالقاسم علی بن الحسن بن بدیع اللہ الشافعی تھے آپ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ ان کی تاریخ اسی جلدوں میں ہے ۵۷۱ھ میں وفات پائی۔ ان کے جنازہ میں سلطان صلاح الدین نے شرکت کی۔ (۲۵) دوسرے راوی 'صدقة بن عمر العسائی' ہیں ابن جریر نے تقریب میں ان کو 'مجهول' لکھا ہے۔ (۲۶) علامہ ذہبی نے بھی انکو "مجهولان" میں شمار کیا ہے نیز لکھا ہے کہ ہشام بن عمار کے سوا کوئی ان سے روایت نہیں کرتا۔ (۲۷) ان کے بعد "عباد بن میسر المنقري البصري" ہیں عابد و صالح ہیں لیکن حدیث میں معتبر نہیں مانے جاتے۔ (۲۸) احمد بن حنبل نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ جبکہ ان سے روایت میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے "لیس بہ بأس" اور ابو داؤد نے ان کے لئے "لیس بقوی" کے الفاظ استعمال کئے ہیں (۲۹) الاثرم کہتے ہیں کہ یہ ضعیف احمد سے ہیں ابن معین کا بیان ہے کہ عباد بن میسر، عباد بن ارشد، عباد بن کثیر اور عباد منصور کی تمام حدیثیں غیر ثقہ ہوتی ہیں "کلہم حدیثہم لیس بالقوی" ابن جریر نے بھی ابو داؤد کے حوالہ سے لکھا ہے "عباد بن میسر، حدیث میں قوی نہیں ہیں البتہ ابن حبان نے ان کا تذکرہ "القات" میں کہا ہے۔ (۳۰)

عباد منقري نے ابن الحسن بن ابی الحسن البصری سے روایت کی ہے کہ جو جندب بن عبد اللہ انس عبد الرحمان بن سرہ، معقل بن یسار اور ابی بکر و سرہ سے روایت کرتے ہیں جبکہ ان سے ایوب وحید و یونس و قتادہ اور دوسرے لوگ روایت کرتے ہیں امام صفی الدین احمد النحر جی نے انکے بارے میں لکھا ہے:

"قال سعيد" كان عالماً، جامعاً، رفيقاً، فقه ما مونا، عابداً ناسكاً، كثير العلم،

راویوں پر بحث کے بعد آئیے روایت کو روایت کے آئینہ میں دیکھیں ”قرائن روایت“ بتاتے ہیں کہ روایت ”اسرائیلیات“ سے ہے ابن کثیر میں اسرائیلیات کی ایک تعداد بہر حال موجود ہے تاہم یہ درست ہے کہ ابن کثیر ان جرح بھی کرتے ہیں اور ان کی صحت اور ضرورت کے قائل بھی نہیں ہیں۔ یہ روایت ”سورۃ الکہف“ کی آیت کے ایک جز کی شرح کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ و کلہم باسط ذریعہ بالو صید (۳۲)

ان کا کتاب بھی چوکھٹ پر ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے یہاں ابن کثیر دراصل اصحاب کہف کے کتبے کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں اور اس تفسیر میں آپ نے اس کے دو نام بیان کئے ہیں ’قطمیر‘ (۳۳) اور ’عمران‘ (۳۴) نیز اس کے رنگ کے بارے میں اختلاف کا ذکر بھی کیا ہے ’لیکن ساتھ ہی آپ نے اسی نوع کی چند اور چیزیں بھی ذکر کر دی ہیں مثلاً حضرت ابراہیم کا ’مینڈھا‘ ’جریر‘ حضرت سلیمان کا ہڈ غنقر‘ بنی اسرائیل کے معبود بچھڑا کا نام ’بہوت‘ وغیرہ نیز حضرت آدم و ابلیس کے واقعہ میں سانپ کا ذکر نہایت غیر ضروری چیز نظر آتی ہے اس کا ذکر بائبل وغیرہ نے قصہ آدم میں کیا ہے (۳۵) کیا بعید ہے یہ انہیں رواۃ کتب سابقہ سے یہاں بھی نقل ہو گیا ہو جیسا کہ ابن کثیر ہی نے بعض جگہ اس کی صراحت فرمائی ہے دراصل اس بحث طولانی کا مقصد خاص طور پر ابن کثیر کے یہاں یہ نظر آتا ہے کہ شاید وہ ان تمام غیر ضروری امور کو ایک جگہ بیان کر کے اس کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ اسی روایت کے متصل آپ نے فرمایا ہے۔

لاحاصل لھا ولا ضائل تحتھا ولا دلیل علیھا ولا حجة إلیھا بل ہی مماینھی عند فان مستندھا رجم بالغیب (۳۶)

اسرائیلیات کے حوالہ سے آپ نے ایسی تنقیدات جا بجا فرمائی ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اسرائیلیات کے بارے میں محتاط طرز عمل خاموشی ہے (۳۷) شاہ ولی اللہ نے اس بارے میں بڑی عمدہ بات کہی ہے ’فرماتے ہیں ”جب بھی کوئی واقعہ نقل کرنا ہو تو صرف اتنا ہی واقعہ نقل کیا جائے جس کا قرآن کے اشارات سے تعلق ہو تا کہ جو کچھ لکھ جائے اس کی قرآن سے تصدیق بھی ہو سکے (۳۸)

اب آپ خود ملاحظہ فرمائیں کہ ایسی روایات کی نہ تو قرآن سے تصدیق ہوتی ہے نہ صحیح احادیث ان کی تائید کرتی ہیں نہ ان کا تعلق شریعت سے ہے اور نہ عمل زندگی سے اگر ان کے راوی ثقہ بھی ہوں تب بھی ان روایات سے اعتنا کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ احادیث یا روایات روایت و روایت کے پیاؤں پر پوری نہیں اترتیں۔

(۳) وقال محمد بن اسحاق بن یسار عن عبد اللہ بن ابی نجیح عن

مجاہد قال لقد حدثت انہ کان علی یوہضم من حدیثہ سنہ و وضع الورق قال

ابن عباس فکانوا کذلک لیلہم و نهارہم فی عبادۃ اللہ یبکون و یمستغثون باللہ و کانوا ثمانیہ نفر: مکسلمینا و کان اکبرہم و هو الذی کلم الملک عنہم و یملیحنا و مرضوس و کسنوس و بیرونس و دیموس و ینبوس و قانوس ہکذا وقع فی ہذہ الرویہ و یحتمل ان ہذا من کلام ابن اسحق و من ینبہ و بینہ فان الصحیح عن ابن عباس انہم کانوا سبعة و هو ظاہر الایۃ (۳۹)

اس روایت میں محمد بن اسحاق عبداللہ بن ابی نجیح اور مجاہد ہیں اول الذکر محمد بن اسحاق بن یسار ابو بکر المظہی مولدہم المدنی ہیں۔ ”تقریب“ نے ان کو امام المغازی ثقہ اور صدوق لکھا ہے تاہم ان کی تدلیس اور تشیع کا ذکر بھی کیا ہے۔ (۴۰) ”میزان“ میں یحییٰ القطان کا یہ قول کل نظر ہے ”یحییٰ کہتے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ ”محمد بن اسحاق“ کذاب ہے“ (۴۱) دارالقطنی کہتے ہیں کہ یہ سیرت میں منکر منقطع اور جھوٹے اشعار بیان کرتا ہے ابن معین ان کو قابل حجت نہیں کہتے جبکہ سلیمان التیمی نے ان کو کذاب کہا ہے۔ امام نسائی نے کہا کہ یہ حدیث میں قوی نہیں ہیں ”ییسر بالقوی“ یحییٰ کہتے ہیں کہ ابن اسحاق پر تعجب ہے کہ اہل کتاب سے حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اسی طرح ابن ابی فدیک کہتا ہے کہ ”میں نے دیکھا کہ ابن اسحاق اہل کتاب میں سے ایک شخص سے حدیثیں لکھتا ہے“ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ بہت بڑے پیمانے پر ”تدلیس“ کا مرتکب ہوا ہے۔ (۴۲)

علامہ ذہبی نے میزان یحییٰ بن کثیر وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے

سمعنا شعبۃ یقول ابن اسحاق امیر المومنین فی الحدیث: ہو صدوق (۴۳)

ابن حجر نے ”تہذیب میں بڑی مفصل بحث کی ہے غلامہ ملاحظہ کے لئے حاضر ہے

”عباس الدوری اور ابن معین سے روایت ہے کہ ابن اسحاق ثقہ ہے لیکن قابل حجت نہیں ہے“ ثقہ و لیس نجیح ابن نفیس ہی سے دوسرا قول یہ ہے کہ ”یسر بائیس و قال مرہ لیس بذالک ضعیف و قال مرہ لیس بالقوی“ (۴۴) ابن معین کے علاوہ نسائی نے بھی یہی کیا ہے (۴۵) ابن حبان نے ان کو الثقات میں رکھا ہے ابن سعد اور العیسیٰ نے بھی ثقہ قرار دیا ہے ابن المدینی کا قول مبنی بر اعتدال نظر آتا ہے ”کہتے ہیں ابن اسحاق اہل کتاب سے روایات میں ضعیف ہے ان کے علاوہ وہ ثقہ ہے“ (۴۶) یہ یہود سے روایت میں مشہور تھے اور غزوات نبوی اور قصہ خیر کے بارے میں بھی اس نے ایسا ہی کہا ہے لیکن تعجب ہے کہ اس سب کے باوجود آئمہ جرح و تعدیل نے ان کو صدوق اور ”حسن الحدیث“ کہا ہے ابو زرعہ حاکم اور محمد بن یحییٰ نے ایسا ہی لکھا ہے۔ (۴۷)

ابن اسحاق نے عبداللہ بن نجیح الکی انھیں سے روایت کی ہے کہ ابن حجر نے تقریب میں عبداللہ بن نجیح کو ثقہ کہا

عبداللہ یسار هذا هو عبد اللہ بن ابی نضیح المکی الثقفی "فقہ قال اس

جوزی قال یحییٰ: کتاب من رؤس السعۃ الی القدر (۴۹)

ابن حجر عسقلانی نے ابن معین، ابوزرعہ، النسائی، ابن سعد، محمد بن عمر اور ابن حبان کے حوالہ سے ثقہ کہا ہے، البتہ نسائی نے یہ بھی کہا ہے "کاف یدلہ" (۵۰) اس روایت کے اگلے راوی مجاہد ہیں:

یہ مجاہد بن جبر ہیں حدیث میں ثقہ ہیں تفسیر اور علم میں امام کا درجہ رکھتے ہیں، "امام فی التفسیر وفی العلم" (۵۱) علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ اہل کتاب سے اخذ کرتے ہیں "اخذھا من اهل کتاب" نسائی کہتے ہیں کہ ابن حبان الہی نے آپ کوضعاف میں لکھا ہے، ابن خراش وغیرہ کا کہنا ہے کہ وہ احادیث جو انہوں نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہیں "مراسل" ہیں (۵۲)

ابن حجر عسقلانی نے بھی تہذیب میں ان کی "مراسل" کا ذکر کیا ہے، ابو حاتم کے حوالے سے روایت ہے کہ یہ حضرت عائشہ سے مرسل روایت کرتے ہیں، علی بن المدینی کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ مجاہد نے صحابہؓ کی ایک جماعت سے ملاقات کی اور حضرت عائشہؓ سے حدیث سنی، ابن حجر نے ابوبکر عباسؓ اور الانعش کے حوالہ سے بھی لکھا ہے کہ مجاہد تفسیر میں اہل کتاب سے استفادہ کرتے ہیں۔ (۵۳) مولانا محمد حسین ذینی نے اس ضمن میں کہا ہے کہ میں نہیں سمجھا کہ مجاہد نے اس ضمن میں جائز حدود سے تجاوز کیا ہوگا خصوصاً جب وہ جبر امت ابن عباسؓ کا تلمیذ رشید ہے، جو اہل کتاب کے بارے میں تشدد سے کام لیتے تھے۔ (۵۴)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ان تینوں راویوں پر اہل کتاب سے روایت کرنا مذکور ہے۔ اگر متن روایت پر ایک نظر ڈالی جائے تو وہاں بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ روایت زیر نظر کا تعلق بھی اسرائیلیات ہی سے نظر آتا ہے۔ یہ روایت سورہ الکہف کی آیت ۲۲ کی شرح میں نقل ہوئی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ یہ تین تھے؟ پانچ تھے یا سات تھے؟ نیز آٹھواں ان کا کتا تھا۔ قرآن سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سات تھے۔ اس کے بعد پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان کی صحیح تعداد کے بارے میں اللہ ہی جانتا ہے، یہاں پہنچ کر اصول اور بحث کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ نیز اس پر یہ تاکید بھی موجود ہے کہ اس کے بارے میں بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں انکی تعداد اور حالات پر لوگوں سے بحث نہ کریں، قرآن حکیم میں اس آیت کے بعد ان حضرات کے حالات، کیفیات اور تعداد وغیرہ سے بحث کرنا کیا قرآن کے مذکور بالا فرمان کے خلاف نہیں ہے، قرآن کہتا ہے کہ ان کی صحیح تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے، اور اہل تفسیر ان کے ناموں تک کی تفصیل بیان کرتے ہیں، ابن کثیر نے اگرچہ یہاں ان کے آٹھ نام لکھے ہیں۔ (۵۵) لیکن اس روایت پر ان کی جرح بھی قابل ملاحظہ ہے، آپ نے اس کو اسرائیلیات ہی میں شمار کیا جاتا ہے (۵۶) ایسی ہی روایات ہیں جن کے بارے میں متن آئے، جرح و تعدیل نہ لکھا ہے، کہ ان کے بارے میں یہ

جاننے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کے راوی معتبر ہیں یا نہیں۔

۵-۳

وقال محمد بن اسحاق عن الحسن بن دينار عن قتادة عن جعفر بن عباس عن ابن عباس في قول تبارك وتعالى (وفديناه بذبح عظيم) قال خرج عليه كبش من الجنة قدر عى قبل ذلك أربعين خريفاً..... (۵۷)

ابن کثیر کی یہ روایت سورۃ الصافات کی آیات کی تصریحات سے ہے، ان آیات میں حضرت ابراہیم اور اسماعیلؑ کی قربانی کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ اور حضرت ابراہیم نے اپنے حضرت اسماعیلؑ کو ماتھے کے بل گرا دیا تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم تو نے خواب سچ کر دکھایا، ہم نیکی کرنیوالوں کو ایسی ہی جزا دیں گے اور یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی دے کر اس بچے (حضرت اسماعیلؑ) کو چھڑا لیا، وفديناه بذبح عظيم (۵۸)

ابن کثیر کی یہ زیر نظر روایت آیت کے اسی حصہ کی تفصیل و شرح میں نقل فرمائی ہے، نیز روایت نمبر ۵ جو ہماری اس بحث کا آخری حصہ ہے بھی اسی آیت کی کچھ مزید شرح کرتی ہے۔ لیکن ہر دو روایات پر بحث آئندہ آتی ہے یہاں بالترتیب ان روایات کے راویوں کے بارے میں کتب رجال کی آراء معلوم کر لیتے ہیں۔

مذکورہ بالا روایت میں پہلے راوی محمد بن اسحاق ہیں جن کے حالات سابقہ بحث میں بیان ہو چکے یہ الحسن بن دینار سے روایت کرتے ہیں ان کا پورا نام ”الحسن بن دینار ابو سعید التميمي“ ہے ان کے بارے میں سفیان ثوری ابو داؤد الحسن بن واصل وغیرہ کا بیان ہے کہ ان کے پاس اہل کتاب کے سرمایہ کے علاوہ اور کچھ نہ تھا (۵۹) ابن حجر عسقلانی کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ”وما هو عندی من اهل الكتاب“ (۶۰) امام بخاری کا قول ہے کہ ان کو یحییٰ عبد الرحمن ابن مبارک اور کعب نے ترک کر دیا ہے۔ اور حضرت عباس کا بیان ہے کہ انہوں نے سنا کہ یحییٰ کہتے تھے، ”حسن بن دینار کوئی شے نہیں“

”قال عباس! سمعت يحيى يقول الحسن بن دينار ليس بشئ“ (۶۱)

امام النسائی ابو حاتم نے اس کو متروک قرار دیا ہے، نیز ابن حبان نے بھی وکیع اور ابن مبارک کے حوالہ سے ایسا ہی کہا ہے (۶۲) علامہ ابن حجر عسقلانی نے ابو حثیمہ کے حوالہ سے ان کو ضعیف اور کذاب لکھا ہے۔ نیز ابو مجاہد کی یہ روایت بھی بیان کی ہے ”ابو مجاهد قال سمعت عمر فقال شعيه هي هي“ (۶۳)

مطلب یہ ہوا ہے کہ حسن بن دینار اہل کتاب سے روایت کرتا ہے، آئمہ کے ہاں یہ ”متروک“ ہے، ضعیف اور کذاب“ ہے۔ یہ اس روایت کے ایک اہم راوی ”قتادہ“ سے روایت کرتے ہیں ان کے بارے میں صاحب مشکوٰۃ نے لکھا ہے کہ یہ اپنے زمانے کے قوی الحادین کے عظیم علماء ہیں، اب کے زبردست ماہر اور عربی

زبان و ادب میں بصیرت قائم رکھتے تھے (۱-۶۳) مفسر قرآن ہونے کے اعتبار سے بھی مشہور تھے (۶۳) علامہ ذہبی نے ”میزان“ میں ان کو ثقہ اور ثبت لکھا ہے۔ روایت میں ان کے معتبر ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اصحاب صحاح ستہ ان کو قبول کرتے ہیں، میزان کی عبارت ملاحظہ ہو:

”حافظ، ثقہ، ثبت، لکنہ مدائن ورمی بالقدر“ قال یحییٰ بن معین مع هذا
فاحتج به اصحاب الصحاح (۶۵) اس روایت کے آخری راوی ”جعفر بن ایاس ابو یشر
الواسطی“ ہیں علامہ ذہبی نے ”میزان میں ان کو ثقہ کہا ہے، یہ کبار علماء سے ہیں ابو حاتم نے ثقہ کہا ہے۔ (۶۶)
”تقریب“ میں لکھا ہے۔ ”ثقه من اثبت الناس فی سعید بن جیرد ضعفه شعیه فی
حبیب بن سالم (۶۷) ابن حجر نے ہی تہذیب میں ابن معین، ابو زرعہ، ابو حاتم، العجل اور امام نسائی وغیرہ کے حوالے
سے ان کو ثقہ کیا ہے نیز ابن عدی کے یہ قول بھی نقل کیا ہے ”ارجو نہ انه لاباس به (۶۸) اس قول کو ”میزان“ نے
بھی نقل کیا ہے اس کا مطلب یہ نکلا کہ جعفر بن ایاس ائمہ جرح کے ہاں ثقہ قرار پائے ہیں۔

۵۔ وقدینہ بذبح عظیم کی شرح میں ابن کثیر نے ایک اور روایت بیان کی ہے۔ اس روایت میں جہاں اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ یہ مینڈھا جنت میں چالیس سال تک چرتا رہا وہاں اس پر یہ اضافہ بھی قابل توجہ ہے کہ اس کا رنگ سفید اس کی آنکھیں اور سینک بڑے بڑے تھے جو ایک عرصہ تک بیت اللہ میں لٹکے رہے۔ یہ چیختا ہوا اوپر سے اترتا بعد ازاں شبیر میں بول کے درخت کے ساتھ بندھا ہوا ملا اور منی میں شبیر کے پاس جو چٹان ہے اس پر یہ جانور ذبح کیا گیا نیز یہ وہی دنبہ ہے جیسے ہاتیل نے اللہ کی راہ میں قربانی کیا تھا اس کی اون قدر سرخ مائل تھی اور اس کا نام ”جریر“ بقول علامہ ابن کثیر بعض نے اسے پہاڑی بکرا اور بعض نے زہرن بھی کہا ہے بہر حال اس ضمن میں علامہ صاحب نے متعدد روایات کو نقل فرمایا ہے یہاں روایات کی ترتیب قطع نظر صرف مفہوم بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ (۱۹) موخر الذکر ان دونوں روایتوں میں حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کی قربانی کے حوالہ سے ”بذبح عظیم“ کی شرح کی گئی ہے اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا ”بذبح عظیم“ سے مراد ”مینڈھا“ ہی ہے جیسا کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے ”ذبحِ عظیم“ کی تعین میں کلام تھے، مولانا نے بڑھتا پڑھتا انداز اختیار کیا ہے، لیکن یہیں پر آپ نے ایک ایسی بات بھی لکھ دی ہے جس سے ان روایات کی تصدیق کا پہلو نکل آتا ہے کہ مینڈھائی تھا اور جنت سے آیا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں، ”جب حجر اسود وغیرہ کا جنت سے آنا ثابت ہے تو ایک حیوان کا آنا کیا بعید ہے“ (۷۰)

شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے ذبح عظیم کا ترجمہ بڑا جانور کیا ہے لیکن علامہ شبیر احمد عثمانی نے صراحتاً تیار اور فرہ
مینڈھا کا ذکر کیا ہے^(۷۱) مولانا عبد الماجد دریا آبادی نے اپنے مرشد تھانوی کا تتبع کیا ہے^(۷۲) مفتی محمد شفیع نے
لکھا ہے کہ یہ مینڈھا تھا جو حضرت جبرائیلؑ کے آگے تھوڑا سا بڑا تھا^(۷۳) مولانا سید ابوالحسن علی Nadwi نے کہا کہ قرآن کی کسی

آیت یا صحیح حدیث میں ایسا وارد ہوا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بنی نوع انسان کو ان موشگافوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی روایات بائبل عہد قدیم کا سرمایہ ہیں چنانچہ بائبل میں ہمیں یہ روایت ملتی ہے:

”تب ابراہیم نے اپنی آنکھیں اٹھائیں تو دیکھا کہ اس کے پیچھے ایک مینڈھا ہے جس کے سینگ جھاڑی میں اٹکے ہوئے ہیں، اور ابراہیم اس مینڈھے کے پاس گیا اور اس کو پکڑا اور اپنے بیٹے کے بدلے سوختی قربانی کے لئے چڑھایا۔ (۷۲)“

تفسیر ابن کثیر اس قسم کی اسرائیلیات سے خالی نہیں ہے لیکن اس تفسیر کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اس کا مولف اپنی جمع کردہ روایات پر بے لاگ تبصرہ کرتا ہے اس زاویے سے علماء حدیث نے اس کتاب کو عظیم علمی کتاب کہا ہے، امام جلال الدین سیوطی نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ ”اس طرز پر اب تک اس سے اچھی تفسیر نہیں لکھی گئی۔“

بہر حال یہاں ابن کثیر کی خصوصیات اور منہج سے بحث نہیں (۷۵) بلکہ اس کی تفسیری روایات کے حوالہ سے محدثین کی کاوش پیش نظر تھی، محققین اور محدثین کی روایات کی اسانید و متون کی جانچ پڑتال کے لئے روایت و درایت کے اصولوں کو تشکیل دینا اور پھر ان کے ماہرانہ استعمال سے اخذ و استفادہ ہی ہمارا اصل مطلوب تھا، یہی وہ اصول ہیں جن پر جدید تحقیق نے اپنی بنیاد رکھی ہے نیز کوئی نقاد و محقق اپنا کام میں ان اصولوں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

حواشی

- ۱۔ ابوالحسن ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، سن ندارد، حصہ دوم، ص ۳۷۲
- ۲۔ مقدمہ تفسیر القرآن العظیم، دارالکتب المصریہ (عینی البال، البابی)، الجز الاول، سن ندارد، ص ۳
- ۳۔ ایضاً، ص ۴
- ۵۔ تفسیر القرآن العظیم، الجز الاول، ص ۲۲
- ۶۔ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن العظیم، الجز الثالث، ص ۱۶، ۱۸
- ۷۔ محمد تقی عثمانی، علوم القرآن، مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع ۱۹۹۸ء، ص ۵۰۱
- ۸۔ ملاحظہ ہو تفسیر القرآن العظیم، الجز الاول، ص ۵۰۲
- ۹۔ علوم القرآن، ص ۵۰۲
- ۱۰۔ تفسیر القرآن العظیم، الجز الثالث، ص ۷۰
- ۱۱۔ اکمال فی اسماء الرجال، ص ۱۰۳
- ۱۲۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجز الثانی، ص ۶۵
- ۱۳۔ تہذیب المہذب، الجز الثالث، ص ۲۶۲
- ۱۴۔ تہذیب المہذب، الجز الثالث، ص ۲۲۱
- ۱۵۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجز الثانی، ص ۲۲۱
- ۱۶۔ تقریب المہذب، ص ۵۹
- ۱۷۔ تقریب المہذب، الجز الثالث، ص ۲۲۷
- ۱۸۔ سیرت النبی، جلد اول، ص ۳۵
- ۱۹۔ سیرت النبی، جلد اول، ص ۳۳
- ۲۰۔ سیرت النبی، جلد اول، ص ۳۳
- ۲۱۔ تفسیر ابن کثیر (اردو)، جلد ۳، ص ۲۷۳
- ۲۲۔ تفسیر القرآن العظیم، الجز الثالث، ص ۷۰
- ۲۳۔ تفسیر ابن کثیر (اردو)، جلد ۳، ص ۲۷۳

- ۲۴۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزا ثالث، ص ۷۶۔ ۲۵۔ تاریخ الحدیث، ص ۲۲۵
- ۲۶۔ تقریب الجہد، ص ۱۵۲۔ ۲۷۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزا ثانی، ص ۳۱۲
- ۲۸۔ تقریب الجہد، ص ۱۶۳۔ ۲۹۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزا ثانی، ص ۳۷۸
- ۳۰۔ تہذیب الجہد، الجزا الخامس، ص ۹۳۔ ۳۱۔ صفی الدین احمد بن عبد اللہ انحر جی، خلاصہ تہذیب الجہد، الکمال فی اسماء الرجال، المکتبۃ الاشریہ ساکنہ، سنہ ۱۴۱۰ھ
- ۳۲۔ سورہ الکہف آیت ۱۸۔ ۳۳۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزا ثالث، ص ۷۶
- ۳۴۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزا ثالث، ص ۷۸
- ۳۵۔ ”عہد عتیق و جدید“ مطبوعہ سوسائٹی آف سینٹ پال، روما، 1958ء، کتاب نکوین، باب ۳، ص ۴
- ۳۶۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزا ثالث، ص ۸۶۔ ۳۷۔ مفصل بحث کیلئے ملاحظہ ہو، تاریخ تفسیر و مفسرین، ص ۱۸۶
- ۳۸۔ شاہ ولی اللہ ”الغور الکبیر“ قرآن محل مولوی مسافر خانہ کراچی، تاریخ اشاعت رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ، ص ۱۳۶
- ۳۹۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزا ثالث، ص ۷۸۔ ۴۰۔ تقریب الجہد، ص ۲۹۰
- ۴۱۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزا ثالث، ص ۴۷۱۔ ۴۲۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزا ثالث، ص ۴۷۰
- ۴۳۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزا ثالث، ص ۴۶۹۔ ۴۴۔ تہذیب الجہد، الجزا ثالث، ص ۳۹۸
- ۴۵۔ تہذیب الجہد، الجزا ثالث، ص ۳۹۸۔ ۴۶۔ تہذیب الجہد، الجزا ثالث، ص ۳۹۸
- ۴۷۔ تہذیب الجہد، الجزا ثالث، ص ۴۰۰۔ ۴۸۔ تقریب الجہد، ص ۱۹۱
- ۴۹۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزا ثانی، ص ۵۲۸۔ ۵۰۔ تہذیب الجہد، الجزا السادس، ص ۵۰۴
- ۵۱۔ تقریب الجہد، ص ۳۲۸۔ ۵۲۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزا ثالث، ص ۴۳۹
- ۵۳۔ تہذیب الجہد، الجزا العاشر، ص ۳۹۔ ۵۴۔ تاریخ تفسیر و مفسرین، ص ۱۰۶
- ۵۵۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزا ثالث، ص ۷۸۔ ۵۶۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزا ثالث، ص ۷۸
- ۵۷۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزا ثالث، ص ۱۵۔ ۵۸۔ سورہ الفلق، آیت ۱۰۷
- ۵۹۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزا اول، ص ۴۸۷۔ ۶۰۔ تہذیب الجہد، الجزا ثانی، ص ۲۴۰
- ۶۱۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزا اول، ص ۴۸۹۔ ۶۲۔ تہذیب الجہد، الجزا ثانی، ص ۲۴۰
- ۶۳۔ تہذیب الجہد، الجزا ثانی، ص ۲۴۱۔ ۶۴۔ اكمال فی اسماء الرجال، ص ۹۹
- ۶۵۔ تاریخ تفسیر و مفسرین، ص ۱۲۰۔ ۶۶۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزا ثالث، ص ۳۸۵
- ۶۷۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، الجزا اول، ص ۴۰۲۔ ۶۸۔ تہذیب الجہد، ص ۵۵
- ۶۹۔ تہذیب الجہد، الجزا ثالث، ص ۷۸۔ ۷۰۔ تفسیر القرآن العظیم، الجزا ثالث، ص ۱۶
- ۷۱۔ مولانا اشرف علی تھانوی بیان القرآن، مکتبہ الحسن لاہور، سنہ ۱۳۲ھ
- ۷۲۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، تشکیل جدید ولی رازی صاحب دارالاشاعت کراچی، طبع اول ۱۹۹۳ء، جلد دوم، ص ۴۲۵
- ۷۳۔ مولانا عبد الماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی (اردو)، تاج کتب، کراچی، سنہ ۹۰۱ھ
- ۷۴۔ مولانا محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، اکتوبر 1998ء، جلد ۷، ص ۴۶۱
- ۷۵۔ ”عہد عتیق و جدید“ سوسائٹی آف سینٹ پال، روما، 1958ء، کتاب نکوین، باب ۲۲، آیت ۱۳
- ۷۶۔ تفسیر ابن کثیر کے منہج اور خصوصیات، ملاحظہ ہو ”منہج“ ص ۲۲